اختلاف رائے

از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی فاضل دیوبند

اسلامی ہند میں اس وقت ہر طرف اختلاف و افتراق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور بڑے بڑے محتاط انسان بھی اس کی لپیٹ سے اپنے دامن کو نہیں بچا سکے ہیں مصر کے شہرہ آفاق ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی کے یہ "رشحات" شاید اس شعلہ زار کے لیے پانی کے چند چھینٹوں کا کام دے سکیں۔ "سجاد"

میں وہی بات کہتا ہوں جس کا میں اعتقاد رکھتا ہوں جس کی پکار میں اپنے دل کے ہر ہر گوشہ سے سنتا ہوں۔ بنابریں بسا اوقات بعض امور کے متعلق میری رائے ان دوستوں کی رائے سے مختلف ہوتی ہے۔ جن کی معلومات ان امور کے متعلق میری معلومات سے مختلف ہوتی ہیں۔

ان دوستوں سے میری مودبانہ معذرت یہ ہے کہ سچائی پر آشتی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی نہ میں اپنی عقل کو بھاڑے کا ٹٹو بنا سکتا ہوں اور نہ اغراض کے طوفان میں تنکے کی طرح بہتا دیکھ سکتا ہوں۔

پھر کیا یہ مناسب ہے کہ کوئی دوست مجھے طعن و تشنیع کے تیر کا نشانہ یا غیظ و غضب کے صاعقہ کی زد بنائے، اس لیے کہ میری رائے اس کی رائے سے متضاد ہے اور میرا مسلک اس کے مسلک سے مختلف۔ اور کیا یہ جائز ہے کہ اُسے خود تو میری رائے کے اتباع سے انکار ہو لیکن مجھے اپنی رائے سے متفق بنانے پر اصرار ہو۔

کوئی ہرج نہیں اگر کوئی شخص دلیل و برہان کی قوت سے اپنے مسلک کو ثابت کرے اور

اپنے مخالف کے مسلک کو رد کرے، اور کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے مختلف ذرائع اختیار کرے، بجز ایک ذریعہ کے جو نہ پسندیدہ ہے اور نہ مفید یعنی سب وشتم۔

خدا نے اخلاص میں بھی بڑی تاثیر رکھی ہے، وہ متکلم کی دلیل میں قوت اور اس کے کلام میں حسن پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے دماغ مغلوب ہو جاتے ہیں اور دل مفتوح، لیکن بدزبان کے متعلق ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم ہے، اس لیے دوسروں کو اپنے مسلک کا تابع اور اپنی صداقت کا معترف بنانے کے لیے اس کی ہر سعی "سعی لاحاصل" ہو، خواہ وہ سچا ہی کیوں نہ ہو!

کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایک شخص اپنے مخالف کو کیوں گالیاں دیتا ہے؟ اس لیے کہ وہ خود جاہل ہے اور عاجز بھی۔ جاہل اس لیے کہ وہ اس میدان سے ہٹ جاتا ہے جس میں اس کا حریف گامزن ہے۔ وہ اصل موضوع کو چھوڑ کر مخالف کے اعمال و افعال اور عادات و اطوار پر تنقید کرنے لگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ ہر بحث وظائف الاعضاء (فزیالوجی) کی بحث ہے اور عاجز اس لیے کہ وہ اپنے مخالف کو زیر کرنے کے لیے کوئی معقول ذریعہ نہیں پاتا اور مجبور ہو کر وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ ناکامی و نامرادی کے داغ سے اپنی پیشانی کو صاف نہیں رکھ سکتا۔۔۔ خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا۔

بحث سے مقصود حقیقت کی خدمت و تائید ہونا چاہیے اور مجھے یقین ہے کہ اگر بحث کرنے والے اس اصول کو پیش نظر رکھیں تو بہت سے ایسے مسائل میں وہ ایک مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں جن میں آج تک ان کی لائنیں مختلف رہی ہیں، اور اس لیے مختلف رہی ہیں کہ وہ ذاتی حیثیت سے ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ کیا غضب ہے کہ ایک شخص دوسرے کی زبان سے کلمۂ حق سنتا ہے اور اس کا دل اس کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے، لیکن وہ قائل کی مخالفت کی وجہ سے اس کے قول سے اختلاف کا اظہار ضروری سمجھتا ہے، اور وہ کمزور دلیلوں کے سہارے کلمۂ حق کو رد کرنے

کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی شخصیت کی عظمت و قوت مسلم، مگر اس کی زبان میں قوت کہاں پیدا ہو سکتی ہے جبکہ اسے دل کی قوت سے مدد نہ ملے۔ لہذا جب دلیلوں سے کچھ نہیں بن پڑتا تو سب و شتم سے کام لیتا ہے اور اپنے مخالف سے کہتا ہے کہ تو جاہل ہے، نافہم ہے، مضطرب الرائے ہے، آج کچھ کہتا ہے اور کل کچھ!

مگر معقول پسند اشخاص اسے ٹوکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ٹھہرو! موضوع کے دائرہ سے باہر نہ جاؤ، تمہیں کسی کے علم و جہل سے کیا سروکار۔ کہنے والا ایک بات کہتا ہے، اگر صحیح ہے تو اُسے مان لو اور اگر غلط ہے تو غلطی کی وجہ بیان کرو۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لو کہ تم اس سے ذاتی طور پر واقف ہی نہیں۔ تمہیں کسی کی رائے کے اضطراب پر اعتراض کا کیا حق؟ ہو سکتا ہے کہ کل ایک شخص ایک بات کو صحیح سمجھتا ہو اور آج اسے اس کی غلطی پر وقوف ہو جائے۔ غلطی آخر انسان ہی سے ہوتی ہے، انسان انسان ہی تو ہے، فرشتہ نہیں۔ غرض مناظر جب اپنے حریف کو دلائل سے قائل نہیں کر سکتا تو ان کمزور وسائل کو اختیار کرتا ہے اور اپنی مجبوری و بیچارگی کو رسوا کر کے اس میدان میں اپنی شکست کا خود اپنی زبان سے اقرار کر لیتا ہے۔

علاوہ بریں حقیقت یہ ہے کہ اکثر جن امور کو مختلف فیہ سمجھا جاتا ہے وہ مختلف فیہ نہیں ہوتے، بلکہ فریقین کا نزاع نزاع لفظی تک محدود ہوتا ہے۔

دنیا کی ہر شے کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک پسندیدہ اور ایک قبیح، اگر کسی شے کے یہ دونوں رُخ مساوی ہیں تب تو ظاہر ہے کہ اختلاف بے معنی ہے، اور اگر ایک رُخ دوسرے رُخ سے زیادہ نمایاں ہے تو دیانت کا تقاضا ہے کہ بحث کے موقع پر شے متنازع فیہ کے غیر نمایاں رُخ کے دھندلے نقوش کا بھی اعتراف کیا جائے۔ اگر ایسا ہو تو کم از کم بحث و جدل میں بد مزگی کا سد باب ہو سکتا ہے۔

اور فریقین بہت کچھ ایک دوسرے سے قریب ہو سکتے ہیں۔

مجھے ایک بادشاہ کا قصہ یاد آیا۔ وہ اور اس کا وزیر ہمیشہ ہر معاملہ میں مختلف الرائے رہتے تھے، بعض اوقات یہ اختلاف رائے بہت شدید ہو جاتا تھا، اور دونوں میں سے کوئی اپنے فریق مخالف کی رائے کے کسی جزء سے بھی اتفاق کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کی مجلس مباحثہ میں ایک حکیم حاضر ہوا۔ بادشاہ اور وزیر کی گفتگو "عورت" کے موضوع پر جاری تھی۔ بادشاہ عورت کو فرشتوں کے زمرہ میں شامل کر رہا تھا، وزیر اُسے شیطان کی اُمت قرار دے رہا تھا

جب اس بحث نے شدت اختیار کی اور دونوں کی کرخت آوازوں سے مجلس مباحثہ گونجنے لگی تو حکیم خاموشی کے ساتھ باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد اپنے کپڑوں میں ایک تختی چھپائے واپس آیا۔ اُس نے بادشاہ اور وزیر سے درخواست کی کہ میں نے ایک تصویر بنائی ہے اگر اجازت ہو تو پیش کروں اور اُس کے متعلق آپ دونوں صاحبان کی رائے حاصل کروں۔ دونوں نے بخوشی اجازت دیدی۔

حکیم نے تختی بادشاہ کے روبرو کی، بادشاہ نے ایک حسین عورت کی تصویر دیکھی اور اُس کے حُسن کی بیحد تعریف کی، پھر وہ وزیر کے پاس گیا اور جلدی سے تختی کے رُخ کو پلٹ دیا اور دوسری تصویر وزیر کے سامنے پیش کی۔ وزیر نے ایک بدصورت عورت کی تصویر دیکھی اور اُس کی بدصورتی کی بیحد بُرائی کی، وزیر کی زبان سے بُرائی سُن کر بادشاہ بھڑک اُٹھا اور اُسے جاہل و بدذوق بتانے لگا، وزیر نے بھی بادشاہ کو سخت جواب دیا اور پھر دونوں میں بحث و جدل کا آغاز ہو گیا۔

اب حکیم کھڑا ہو گیا اور اُس نے تختی کے دونوں رُخ دونوں کو دکھائے دونوں طرف دو مختلف صورتیں دیکھ کر اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور بے اختیار ہنس پڑے۔ حکیم نے ادب کے ساتھ کہا آپ دونوں صاحبان کے متنازع فیہ مسئلہ کی جس میں آپ رات سے اُلجھے ہوئے ہیں اصل حقیقت اسی قدر ہے۔ اس تختی کو میں نے آپ کے سامنے بطور تمثیل پیش کیا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جس مسئلہ کو آپ مختلف سمجھتے ہیں وہ دراصل مختلف فیہ نہیں بشرطیکہ فریقین کی نظر اُس کے دونوں پہلوؤں پر ہو۔

بادشاہ اور وزیر نے حکیم کی اس کوشش کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی دانائی کی تعریف کی اور پھر دونوں میں بہت کم کسی مسئلہ